لیے نصیحت ہو، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱): نصیحت کونی: زیر تفسیر آیت میں مذکورہ نصیحت کونی ہے اور یہ نرم دل وسنگدل سب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ فرمایا: ﴿نکالا لما بین یدیها وما خلفها﴾ اور درحقیقت اہل تقویٰ ہی استفادہ کرتے ہیں؛ جبکہ غیر متقی لوگ کبھی سنگین اضطراری صورت میں وقتی طور پر عبرت حاصل کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں فرمایا: ''جب وہ کشتیوں میں سطح سمندر پر محو سفر ہوں اور طوفانی موجیں ان پر چھا جائیں یا طوفانی آندھی چلنے لگیں تو صرف اللہ سے دعا مانگتے ہیں؛ لیکن اس مصیبت سے نجات پاتے ہی شرک کی طرف لپک پڑتے ہیں: ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ○﴾ [العنکبوت ٦٥]

(۲) نصیحت شرعی: یہ صرف اہل ایمان اور نرم دل والوں پر اثر کرتی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ○﴾ [یونس ٥٧، ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۱۳: ﴿موعظة للمتقين﴾ سے ''تقویٰ'' کا یہ فائدہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کی بدولت آیاتِ کونیہ وشرعیہ سے حقیقی نصیحت حاصل کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ [ابن العثیمین]

تنبیہ: ﴿كونوا قردة خاسئين﴾ سے معلوم ہوا کہ وہ مجرم بندر بن گئے تھے۔ گزشتہ فائدہ نمبر۳: میں الجزاء من جنس العمل کے تحت بیان کردہ مناسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ کے دن رب کی نافرمانی کرنے والوں میں سے بعض بندر اور بعض سؤر بن گئے تھے۔ ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ﴾ [المائدة ٦٠] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''لوگوں کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کے جوان لوگ بندر اور بوڑھے سؤر بن گئے تھے۔'' لیکن یہ سنداً ضعیف ہے۔ نیز تفسیر ابن ابی حاتم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں زعموا کے لفظ سے اسرائیلی روایت ہونے کا احتمال ہے۔ لہٰذا احکام ہفتہ کی مخالفت کرنے والوں میں سے بعض کا ''سؤر'' بننا ثابت نہیں ہوا۔

پس سؤر بننے کا واقعہ کسی اور مخالفت کے موقع پر پیش آیا ہوگا؛ یقیناً اس قوم کی عادتیں اُس دور سے آج تک مخالفتوں اور نافرمانیوں سے بھرپور ہیں۔ اللہ تعالیٰ امتِ اسلامیہ کو ان کے نقشِ قدم سے محفوظ رکھے، آمین

درس حدیث

انسان: خلقت سے انجام تک

عبدالوہاب خان

"عن عبدالله بن مسعودٍ رضی اللہ عنہ قال: حدثنا رسولُ اللّهِ ﷺ وهو الصادقُ المصدوقُ:

"إنَّ أحدَكم يُجمعُ خلقُهُ في بطنِ أمِّهِ أربعين يومًا نطفةً ثم يكونُ علقةً مثل ذلكَ، ثم يكونُ مُضغةً مثل ذلك ثمّ يُرسِلُ اللّهُ المَلَكَ فينفخُ فيهِ الروحَ ويؤمَرُ بأربعِ كلماتٍ: بكَتْبِ رِزقهِ وأجلِهِ وعملِهِ وشقيٌّ أو سعيدٌ" فواللّهِ الذي لآ إلٰه غيرهُ: "إنّ أحدَكم ليعملُ بعملِ أهلِ الجنةِ حتى ما يكونُ بينَه وبينَها إلا ذراعٌ، فيسبقُ عليهِ الكتابُ فيعملُ بعملِ أهلِ النارِ فيدخلُها، وإنّ أحدَكم ليعملُ بعملِ أهلِ النارِ حتى ما يكونُ بينَه وبينَها إلا ذراعٌ فيسبقُ عليه الكتابُ فيعملُ بعملِ أهلِ الجنةِ فيدخلُها."

[متفق عليه: البخاري كتاب بدء الخلق ح:٣٢٠٨، ٣٣٣٢، ٦٥٩٤، مسلم كتاب القدر ح:١(٢٦٤٣)]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان فرمائی جو کہ سچائی کے پیکر ہیں اور ان تک پہنچنے والی وحی بھی سچی ہے۔

"یقیناً تم میں سے کسی انسان کی خلقت اس کی ماں کے رحم میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں اکٹھے کی جاتی ہے، پھر اسی طرح وہ جمے ہوئے خون کی شکل میں ہوتا ہے، پھر اسی طرح وہ لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے۔ پھر اس کی طرف فرشتہ بھیج دیا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے۔ اور اسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کا رزق، اس کی اجل (عمر)، اس کا عمل، اور وہ بدقسمت ہوگا یا نیک بخت۔"

پس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں! یقیناً تم میں سے کوئی جنتیوں والا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اِس شخص اور اُس کے مابین ایک ہاتھ کے سوا فاصلہ نہیں ہوتا، پھر اس کی نوشتہ تقدیر سبقت لے جاتی ہے اور وہ جہنم کے لائق کام انجام دے کر جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور یقیناً تم میں سے کوئی شخص جہنمیوں والا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اِس کے اور اُس کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا، پھر اس کی تحریر

شدہ تقدیر سبقت لے جاتی ہے، تب وہ جنتیوں والا عمل انجام دیتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے۔''

شرح: ''وھو الصادق المصدوق'' یہ جملہ (رسولُ اللّٰہِ) کی تأکید ہے۔ اس جلیل القدر فقیہ نے دیکھا کہ حدیث شریف میں غیبی امور کی خبر دی گئی ہے، جن کی تحقیق اُس دور میں سائنسی تجربات کے ذریعے ممکن نہیں تھی۔ حتیٰ کہ اس میں بیان کردہ بعض امور رب تعالیٰ کے علم غیب سے متعلق ہیں، کہ سائنس اور ٹیکنالوجی جتنی چاہے ترقی کرے، یہ انسانی تجربات ومشاہدات کے دائرے سے بالکل باہر رہیں گے۔ جیسے: معیشت، عمر، اعمال اور روزِ آخرت بندے کا انجام۔ اس لیے یہ بیان کیا کہ آپ ﷺ سچائی کے پیکر ہیں اور آپ ﷺ تک پہنچی ہوئی ہر خبر بھی سچائی پر مبنی ہے۔ جیسے کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى ○﴾ [سورۃ النجم ۳، ۴]

ماں کے پیٹ میں خلقتِ انسانی کا اجتماع: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ [النساء ۱] ''اے لوگو! اپنے رب کی نافرمانی سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ہی فرد سے پیدا فرمایا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔'' حدیث میں دونوں کے مادہ حیات کے قطروں کا اجتماع بیان ہوا ہے۔

﴿عَلَقَة﴾: جما ہوا خون۔ شیخ ابن العثیمینؒ: کھڑے پانی میں ایک بے ڈول کیڑا بھی علقة کہلاتا ہے۔

﴿مُضْغَة﴾: لوتھڑا۔ یہ اگلا مرحلہ ہے، جس میں یہ خون بتدریج ایک نرم بوٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر یہ ترقی کر کے انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

روح کتنے عرصے بعد پھونکی جاتی ہے؟

(۱) زیر درس حدیث شریف میں ظاہری معنی کے لحاظ سے 40x3=120 دن بعد روح پھونکنے کا ذکر ہے۔

(۲) صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ ؓ نے عبداللہ بن مسعود ؓ کا بیان سن لیا: ''الشقيُّ من شَقِيَ في بطنِ أمهِ والسعيدُ من وعظَ بغيرهِ'' ''بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بد بخت ہو گیا اور خوش قسمت وہ ہے جو دوسروں کی غلطیوں سے سبق حاصل کرے۔'' عامر ؓ کو اس بات پر تعجب ہوا اور حضرت حذیفہ بن اَسید غفاری ؓ سے سوال کیا: ''آدمی عمل کے بغیر بد بخت کیسے ہو سکتا ہے؟''

انہوں نے کہا: کیا تجھے اس پر تعجب ہے؟ یقیناً میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''إذا مرَّ

بالنطفةِ ثنتانِ وأربعونَ ليلةً بعثَ اللّٰهُ إليها ملَكًا فصورَها وخلقَ سمعَها وبصرَها وجلدَها ولحمَها وعظامَها، ثم قال يا ربِّ أ ذكَرٌ أم أنثٰى؟ فيَقضِي رَبُّك ما شاءَ ويكتبُ الملَكُ، ثمّ يقولُ يا ربِّ أجلُه؟ فيقضِي رَبُّك ما شاءَ ويكتبُ الملكُ، ثمّ يقولُ يا ربِّ رزقُه؟ فيقضِي رَبُّك ما شاء ويكتبُ الملكُ، ثمَّ يخرجُ الملَكُ بالصحيفةِ في يدِهٖ فلا يزيدُ علىٰ ما أمِرَ ولا ينقصُ" [مسلم ٣ (٢٦٤٥)] "جب رحم کے اندر نطفے پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتہ بھیج دیتا ہے جو اس کی شکل وصورت بناتا ہے اور اس کے کان، آنکھیں، جلد، گوشت اور ہڈیاں بنا دیتا ہے۔ پھر عرض کرتا ہے: اے میرے رب! نر یا مادہ؟ تو تیرا رب جو چاہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اسے لکھ دیتا ہے۔ پھر عرض کرتا ہے: اے میرے رب! اس کی عمر؟ تو تیرا رب جو چاہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اسے نوٹ کرتا ہے۔ پھر عرض کرتا ہے: اے میرے رب! اس کا رزق؟ تو تیرا رب جو چاہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اسے تحریر کرتا ہے۔ پھر فرشتہ وہ دستاویز اپنے ہاتھ میں لے کر نکل جاتا ہے۔ پس اسے جو کچھ حکم ہوتا ہے اس میں کوئی اضافہ کرتا ہے نہ کمی۔"

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے: "يدخلُ الملَكُ على النطفةِ بعدَ ما استقرَّ في الرحمِ أربعين أو خمسا وأربعين ليلةً......" [مسلم ٢ (٢٦٤٤)] "چالیس یا پینتالیس راتیں" ایک اور روایت میں ہے: "لبضعٍ وأربعين ليلةً" [مسلم ٤ (٢٦٤٥)] "چالیس اور چند راتیں" اور ایک روایت میں ہے: "أربعينَ ليلةً" [مسلم ٤ (٢٦٤٥)] "چالیس راتیں"

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا استقرتِ النطفةُ في الرحمِ أربعينَ يومًا ـ أو أربعينَ ليلةً ـ بعثَ إليها مَلَكًا فيقولُ: يا ربِّ ما رزقُه؟ فيُقالُ له، فيقولُ: يا ربِّ ما أجلُه؟ فيقالُ له، فيقولُ: يا ربِّ ذكرٌ أو أنثٰى؟ فيُعلَمُ، فيقولُ: يا ربِّ شقيٌّ أو سعيدٌ؟ فيُعلمُ." [مسند أحمد ١٥٢٦٥ وقال الأرنؤط: صحيح لغيره] "ان احادیث میں مذکورہ مدت چالیس، بیالیس اور پینتالیس دن وارد ہوئی ہے۔ اور "بضع" کے عموم کی روشنی میں انچاس تک بھی کہا جا سکتا ہے۔

(۴) مسند احمد کی ایک روایت میں ہے: "......ثمَّ مضغةً كذلكَ ثم عظامًا كذلكَ" [حديث: ٣٥٥٣] اس حساب سے جنین میں روح پھونکنے کی مدت 160 دن بنتی ہے۔ شیخ ارنؤطؒ نے اس حدیث کو ضعیف اور منقطع قرار دیا ہے۔ لہٰذا صحیح حدیث کے مقابلے میں کالعدم ہے۔ ابن العثیمینؒ نے کہا: یہ روایت بلا شبہ غلط ہے۔

امام ابن رجبؒ کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ وغیرہ متعدد صحابہ کرام ؓ نے بیان کیا ہے کہ جنین میں روح پھونکنے اور تقدیر الٰہی لکھنے کا عمل چالیس دن بعد ہی واقع ہوتا ہے۔

آپؒ نے اطباء کا قول بھی بیان کیا ہے: ''رحم میں نطفہ 6 / 7 دن میں جھاگ اور چکنائی بنتا ہے، پھر اس کی شکل بننے لگتی ہے۔ اس کے بعد وہ رحم سے غذا لینے لگتا ہے۔ 15 دن میں جما ہوا خون بنتا ہے۔ پھر اس کے اعضاء ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ پھر 9 دن بعد سر کندھوں سے الگ ہو جاتا ہے، پھر ہاتھ پیروں کی انگلیاں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ لڑکا کم از کم 30 دنوں میں بنتا ہے، عموماً 35 دن لگتے ہیں اور کبھی 45 دن تک میں بنتا ہے۔ لڑکی 40 دن سے پہلے نہیں بنتی۔'' جدید طب بھی تقریباً اس کی تائید کرتا ہے۔

ابن رجبؒ کہتے ہیں: شاید یہ فرق مختلف جنین کے لحاظ سے ہو؛ کسی جنین کے لیے یہ عمل پہلے چالیس دن کے بعد ہی واقع ہوتا ہو، اور کسی کے لیے تیسرے چالیس دن گزرنے کے بعد۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث ابن مسعود ؓ میں ثُمَّ (پھر) کا لفظ خبر کی ترتیب کے لیے آیا ہو، خبر دی ہوئی چیز کی ترتیب کے لیے نہ ہو۔ واللّٰہُ أعلمُ

امام ابن رجبؒ کی اس دوسری تأویل کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چالیس دنوں کا ذکر فرما کر نطفہ، پھر جما ہوا خون، پھر لوتھڑا بن جانے کی خبر دی۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ ہر ایک مرحلے میں چالیس چالیس دن لگتے ہیں۔

اس کی تائید خود حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے: ''إنَّ أحدَكم يُجمعُ خلقُهُ في بطنِ أمّهِ أربعينَ يومًا ثمّ يكونُ **في ذلكَ** علقةً مثلَ ذلك، ثمّ يكون في ذلك مضغةً مثلَ ذلك ثمّ يرسَلُ الملكُ.....'' [مسلم ١ (٢٦٤٣)] ''یقیناً تم میں سے کسی کی خلقت اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن اکٹھے کی جاتی ہے، پھر وہ اس (مذکورہ مدت) میں اسی طرح جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر اسی (مدت) میں اس طرح لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر اس کی طرف فرشتہ بھیج دیا جاتا ہے.....''

ان روایات کی روشنی میں امام ابن رجبؒ کی یہی تأویل درست لگتی ہے کہ ''ثمّ'' کا لفظ صرف خبر کی ترتیب کے لیے آیا ہے۔ کیونکہ متعدد صحیح احادیث میں چالیس اور اس سے کچھ اوپر دنوں کی تعداد آئی ہے، جن کے درمیان ''مختلف حالات میں'' جنین بننے کا فرق معقول ہے۔

اسی لیے راقم نے ابن مسعود ؓ کی اس روایت میں فـي ذلكَ کے معانی ''اسی مذکورہ مدت میں'' کیے ہیں۔ بلاشبہ ایک سو بیس دنوں کی طویل مدت کو ''ان مختلف حالات'' میں شامل ماننا بالکل بعید ہے۔ واللّٰہُ أعلمُ

جنین کی تقدیر کہاں لکھی جاتی ہے؟

جنین کی تقدیر لکھنے کے بارے میں دو جگہوں کا ذکر ہوا ہے:

{1} عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "إذا مرّ بالنطفةِ ثنتانِ وأربعونَ ليلةً بعث اللّٰهُ إليها ملكًا فصورَها وخلقَ سمعَها وبصرَها وجلدَها ولحمَها وعظامَها، ثم قال يا ربِّ أ ذكرٌ أم أنثىٰ؟...... ثمَّ يخرجُ الملكُ **بالصحيفةِ** في يدِه فلا يزيدُ علىٰ ما أمِرَ ولا ينقصُ" [مسلم] اس سے معلوم ہوا کہ جنین کی تقدیر ایک **صحیفہ** (دستاویز) میں لکھی جاتی ہے۔

{2} حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إذا خلقَ اللّٰهُ النسمةَ قالَ ملكُ الأرحامِ: أي ربِّ أذكرٌ أم أنثىٰ؟ قال: فيقضِي اللّٰه إليه أمرَه، ثمّ يقولُ: أي ربِّ أ شقيٌّ أم سعيدٌ؟ فيقضِي اللّٰه إليه أمرَه ثمّ يكتب **بين عينيهِ** ما هو لاقٍ حتى النكبةَ يُنكبُها." [الرد على الجهمية للدارمي ح:٢٦٨، القدر للفريابي ١٤١، مسند أبي يعلى ٥٧٧٥ وصحح المحقق إسناده، صحيح ابن حبان ٦١٧٨ وصحح المحقق إسناده] "جب اللہ تعالیٰ نسل کو پیدا فرماتا ہے تو رحموں پر مقرر فرشتہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! نر یا مادہ؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے متعلق اپنا فیصلہ فرماتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب! بد بخت یا نیک بخت؟ تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنا فیصلہ جاری فرماتا ہے۔ پھر اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) اس سے واقع ہونے والی ہر چیز لکھی جاتی ہے حتی کہ اسے کوئی چوٹ لگنا ہو تب بھی۔" اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر جنین کی پیشانی پر لکھی جاتی ہے۔ اور یہی عام محاورے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

امام ابن رجب ؒ کہتے ہیں: غالباً یہ تقدیر صحیفہ اور بچے کی آنکھوں کے درمیان دونوں جگہ لکھی جاتی ہے۔

عقیدہ تقدیر کا نتیجہ کیا ہونا چاہیے؟

{1} مثبت نتیجہ: ﴿مَآ اَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ﴾ [الحديد ٢٢-٢٣] "زمین میں یا تمہاری جانوں پر جو بھی مصیبت آتی ہو سب ان کی تخلیق سے پہلے ہی ایک کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے اور یہ اللہ پاک پر آسان ہے۔ تا کہ تم سے جو کوئی (نعمت) چھوٹ جائے اس پر تم افسوس نہ کرو

اور جو کچھ (نعمت) تمہیں عطا فرمائے اس پر نہ اترایا کرو۔"

ان آیات کریمہ میں تقدیر کی تحریر کا یہ **فائدہ** بیان ہوا ہے کہ انسان مصیبت کے وقت تقدیر کے سہارے صبر وشکر سے کام لے، اور نعمتوں کے حصول پر ناز وفخر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم سمجھ کر شکرگزاری کرے۔ اس طرح ایمان کے چھٹے رکن "تقدیر خیر وشر" پر ایمان رکھنے والا مؤمن ہر خوشی اور غمی پر اپنے رب تعالیٰ سے اجر وثواب حاصل کر کے کامیاب وکامران ہو جاتا ہے۔ اور بے فائدہ قسم کے ٹینشن سے محفوظ رہتا ہے۔

{2} **منفی نتیجہ**: حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ما من نفسٍ منفوسةٍ إلا وقد كتب اللّٰهُ مِن الجنَة أو النارِ، وإلا قد كتبتُ شقيةً أو سعيدةً" فقال رجلٌ: يا رسول اللّٰهِ أفلا نمكثُ على كتابنا وندعُ العملَ؟ فقال: "اعملوا، فكلٌّ ميسَّرٌ لما خلِق لهُ، أما أهلُ السعادة فييَسَّرُون لعملِ السعادةِ وأما أهلُ الشقاوة فييسرونَ لعملِ أهلِ الشقاوةِ" ثم قرأ: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ○﴾ [الليل ۵-۱۰] "جو بھی جان پیدا کی جاتی ہے اس کا آخری ٹھکانا جنت یا جہنم لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس کو بدبخت یا نیک بخت لکھا ہوا ہے۔" اس پر ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اب ہم اپنی نوشتہ تقدیر پر تکیہ کر کے عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟ آپ ﷺ نے (اس **منفی نتیجے** کی مذمت کرتے ہوئے) فرمایا: "عمل کرتے جاؤ، پس ہر ایک کے لیے وہی عمل آسان کیا گیا ہے جس انجام کی خاطر اسے پیدا کیا گیا ہو۔ سعادت مندوں کے لیے نیک بختی والا کام آسان کیا جاتا ہے اور بدبختوں کے لیے بدبختی والے کام کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔" پھر آپ ﷺ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں: ﴿پس جس نے (راہ الٰہی میں مال) دیا اور پرہیزگاری اختیار کی۔ اور اچھی بات کی تصدیق کی۔ پس ہم اس کے لیے آسانی والی راہ میسر فرما دیں گے۔ اور جس نے کنجوسی کی اور بے پروائی کی۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا۔ پس ہم اس کے لیے مشکل گھاٹی کی راہ آسان کر دیں گے۔﴾

حضرت جابر ؓ کی روایت میں ہے کہ تقدیر پر بھروسہ کر کے عمل ترک کرنے سے متعلق سوال کرنے والا شخص سراقہ ابن جعشم ؓ تھا۔ امت اسلامیہ پر اس سائل نے بڑی مہربانی کی، کہ اس موقع پر ذہن میں آنے والا سوال بلاتکلف پوچھ کر رسالت مآب ﷺ سے اس کا جواب حاصل کر لیا۔ ورنہ آج کتنے مسلمان اسی وہم باطل میں پڑ کر عمل صالح کی کوشش ہی نہ کرتے! پس اس حدیث شریف کے مطابق تقدیر پر ایمان کے نتیجے میں ہر مسلمان کو عمل صالح کی

خوب محنت کرنا چاہیے۔ جس طرح اُس سائل صحابی سراقہ ؓ نے اپنا ردِ عمل بیان کیا: "فلا أكونُ أبدًا أشدَّ اجتهادًا في العملِ مني الآن" [موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان ح: ۱۸۰۹] "اب آئندہ میں پہلے سے بہت بڑھ چڑھ کر عمل صالح کی محنت کروں گا۔"

فو اللّٰہ ... مرفوع ہے یا موقوف؟

امام ابن رجبؒ کہتے ہیں: یہ مدرج یعنی عبداللہ بن مسعود ؓ کا کلام ہے۔ جیسے کہ سلمۃ بن کہیلؒ نے زید بن وھبؒ سے انہوں نے ابن مسعود ؓ سے روایت کی ہے۔ ہاں یہ بہت ساری اسانید سے مرفوعاً بھی ثابت ہے۔

ابن العثیمینؒ کہتے ہیں: مرفوع اور موقوف کا اختلاف ہو تو اصل مرفوع ہے۔ لہٰذا یہ مرفوع حدیث ہی ہے۔

راقم کا خیال ہے کہ یہ حدیث ابن مسعود ؓ کے نزدیک ثابت تھی، تو قسم کے ساتھ بیان کردی، اگرچہ اس موقع پر مرفوع روایت نہ کی ہو۔ جب حدیث ثابت ہے، تو بعض روایات میں موقوف ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

کیا زندگی بھر نیکی کرنے والا آخر کار دوزخ میں بھی جا سکتا ہے؟

زیرِ درس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ کبھی زندگی بھر نیک عمل انجام دینے والے کا زندگی کے آخر میں برائی کر کے جہنم رسید ہونا بھی ممکن ہے؛ لیکن ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ایمان دار بندہ اپنے عمل پر ناز نہ کرے؛ بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے خاتمہ بالخیر ہونے کی دعا کرتا رہے۔ یہ بہتر اور ضروری ہے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیراً بد بخت شخص کی وہ نیکیاں اللہ پاک کے ہاں قبول شدہ اعمال ہرگز نہیں ہوتیں: بلکہ یہ صرف "**لوگوں کی نظروں میں**" عمل صالح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے ایمان میں کسی نقص، اعمال میں اخلاص نیت کے فقدان یا معیشت میں حرام کی آمیزش وغیرہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی ؓ کی حدیث میں ہے:

"ایک غزوے میں مجاہدین ؓ نے ایک مسلمان کی بہادری اور کارکردگی کی خوب تعریف کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أما إنَّه مِن أهلِ النّارِ" "لیکن توجہ کرو، یہ شخص تو دوزخی ہے۔" اس فرمان کو سن کر بعض لوگوں کو شبہ ہونے لگا۔ ایک صحابی نے دل میں ٹھان لیا کہ اس کا پیچھا کرے گا ... آخر اس نے آ کر عرض کیا: "آپ یقیناً اللہ کے سچے رسول ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: بات کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: "میں نے آپ کا فرمان سن کر اس شخص کا پیچھا کیا تھا،

تو دیکھا کہ آخر کار زخموں کی تاب نہ لا کر اس شخص نے خودکشی کر لی۔''

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إنّ الرجلَ ليعمَلُ عملَ أهلِ الجنةِ **فيما يبدُو لِلناسِ** وهو من أهل النارِ، وإنّ الرجلَ ليعملُ عملَ أهلِ النارِ فيما يبدُو للناسِ وهو من أهلِ الجنةِ'' | صحيح البخاري ح:٢٨٩٨، ٤٢٠٢، ٤٢٠٧، صحيح مسلم كتاب الإيمان باب ٤٧ ح:١٧٩ (١١٢)، القدر باب ١ ح:١٢ (١١٢) | ''یقیناً کوئی آدمی **لوگوں کی نظر میں** جنتیوں والا عمل انجام دیتا ہے، حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے۔ اور بیشک کوئی شخص لوگوں کی نگاہ میں جہنمیوں والا کام کرتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔''

اس حدیث شریف کی روشنی میں واضح ہے کہ زیر درس حدیث کے الفاظ ''يَعْمَلُ عَمَلَ أهلِ الجنة حتى ما يكونُ بينهُ وبينَها إلا ذراعٌ'' کا مطلب یہ ہے کہ مقررہ اجل ختم ہونے کے بالکل قریب تک وہ لوگوں کی نگاہ میں نیکی کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ معنی نہیں کہ عمل کے مرتبے میں جنت کے اتنا قریب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا عمل کسی شرعی رکاوٹ سے درحقیقت ''صالح'' نہیں ہوتا۔

امام ابن رجبؒ اور ابن العثیمینؒ کہتے ہیں: بعض لوگ شک میں پڑتے ہیں کہ نیک آدمی کس طرح جہنم میں جائے گا۔ حالانکہ وہ صرف لوگوں کی نگاہ میں نیک ہوتا ہے، حتی کہ اجل قریب ہو جائے۔ پھر وہ نیک عمل ترک کر کے برائی شروع کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے دل میں کھوٹ ہوتا ہے جو اسے گناہ کی کھائی میں گرا دیتا ہے۔

ابن العثیمینؒ کہتے ہیں: کوئی شخص اس حدیث کو سن کر اللہ رب العزت کے بارے میں بدگمانی نہ کرے۔ اللہ کی قسم! جو بھی صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے، وہ اسے ہرگز رسوا نہ کرے گا۔

زندگی بھر برائیوں میں غرق رہنے کے بعد آخر عمر میں نیکی کر کے جنت کو سدھار جانے کی مثال:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پوچھتے تھے: وہ کون شخص ہے جس نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی اور جنت میں چلا گیا؟ لوگوں کے دریافت کرنے پر کہتے تھے: یہ انصار کے قبیلہ بنی عبدالاشہل کا اصیرم حضرت عمرو بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ ہے۔ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وہ زندگی بھر دین اسلام کے دشمن رہے۔ غزوہ احد کے دوران ایمان لایا اور جہاد میں جا کر دشمن کی ضرب سے شدید زخمی ہو گئے۔ اس کے قبیلہ والوں نے سوال کیا: جنگ میں کیوں آ دھمکے؟ قومی غیرت میں یا اسلام کی رغبت میں؟ اس نے کہا: بلکہ اسلام کی رغبت میں حاضر ہوا ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں۔ پھر وہ ان کے سامنے شہید ہو گئے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا تو ارشاد فرمایا: ''إنَّهُ لَمِن أهلِ الجنةِ'' | مسند

أحمد ۲۳٦۳٤ وحسن إسنادہ الأرنؤط] ''وہ یقیناً جنتی ہے۔''

روح کی حقیقت کیا ہے؟

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۝﴾ [الإسراء ۸۵] ''لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ فرمایئے: روح میرے رب کے حکم سے ہے، اور تمہیں صرف تھوڑا سا علم ہی دیا گیا ہے۔'' ابن العثیمینؒ کا بیان ہے کہ اس آیت میں ڈانٹ کا اشارہ ہے؛ جیسے فرمایا: ایسے پوچھتے ہو، گویا سارا علم حاصل کر کے صرف ''روح'' باقی بچا ہے!!

شیخ الاسلامؒ کہتے ہیں: متکلمین اور فلاسفہ کو شریعت کا علم نہ تھا تو انہوں نے روح کے بارے میں اوٹ پٹانگ باتیں کیں: (۱) روح مادہ نہیں عرض ہے، یعنی بدن کی صفت ہے۔ (۲) روح ہی خون ہے۔ (۳) روح بدن کا جز ہے۔

اہل سنت والجماعت اسے ''امر الٰہی'' مانتے ہیں اور کتاب وسنت میں ثابت اوصاف کو تسلیم کرتے ہیں۔

(۱) ثابت ہے کہ ''روح'' جسم میں ''پھونکی'' جاتی ہے۔

(۲) یہ حکم الٰہی سے بدن میں سرایت کرتا ہے۔

(۳) نیند کی حالت میں کسی قدر بدن سے الگ ہو جاتا ہے۔

(۴) اجل پوری ہونے پر جسم سے بالکل نکل جاتا ہے۔

(۵) رحمت کے فرشتے اسے خوشبودار جنتی کفن میں، یا دوزخ کے فرشتے بدبودار چیتھڑوں میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ روح بھی ایک ''جسم'' ہے؛ لیکن مادی اجسام سے بالکل مختلف۔

فوائدِ حدیث:

[1]: جلیل القدر صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حسنِ اسلوب۔ خبر کی تأکید کے لیے تصدیق کا ادب سکھایا۔

[2]: اشرف المخلوقات کو زمین میں خلافت سونپ کر اللہ رب العزت کا انسان کے ساتھ خصوصی اہتمام:

(۱) پیٹ میں فرشتہ مقرر فرمایا۔ (۲) پیدائش پر فرشتہ مقرر فرمایا۔ (۳) ہر عمل کو نوٹ کرنے پر فرشتے مقرر فرمائے۔ (۴) موت پر فرشتہ مقرر فرمایا۔ یہ خاص عنایت الٰہی ہے، جو کسی اور مخلوق کے لیے ثابت نہیں۔

[3]: بعض فقہاء نے چالیس دن کے اندر حلال دوائی کے ذریعے نطفے کو ضائع کرنا جائز قرار دیا ہے۔ لیکن صحیح